R. No. 2100/57 Regd. No. L. 802

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۴ - شمارہ ۴۴ | ایڈیٹر: - آل احمد سرور | ۲۲ نومبر ۱۹۶۵ء

اداریہ

ریڈیو پر اردو پروگرام

خوشی کی بات ہے کہ موجودہ جنگی حالات نے آل انڈیا ریڈیو کو بھی اردو کی اہمیت کا احساس دلایا۔ ادھر اردو کے پروگراموں میں خاصا اضافہ ہوا ہے اور توقع ہے کہ جلد ہی چند خاص مقامات پر جو اردو کے مرکز سمجھے جاتے ہیں اردو کے پروگراموں کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت نکالا جائے گا۔ اگر اردو کی مقبولیت کا ارباب اقتدار کو اس سے پہلے احساس ہوتا تو ایک طرف ملک میں قومی یکجہتی کا احساس اور قوی ہوتا، دوسری طرف قومی مسلک سے متعلق زیادہ واقفیت ہوتی، تیسری طرف دشمنوں کے پروپیگنڈے کا زیادہ اچھا مقابلہ ہوتا۔ بہرحال اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ دہلی، لکھنؤ، سرینگر، جالندھر، الہ آباد، پٹنہ، بھوپال، حیدرآباد کے اسٹیشنوں پر خاص اردو پروگراموں کے لیے خاصا وقت دیا جائے، دوسرے ایسے پروگرام اور بڑھائے جائیں جو پاکستان کے لیے ہوں اور جن میں سنجیدگی کے ساتھ ہندوستان کے نقطۂ نظر کو واضح کیا جائے، واقعات کے متعلق صحیح خبریں دی جائیں اور پاکستان کے جھوٹے پروپیگنڈے کا پردہ فاش کیا جائے۔ اس سلسلے میں ریڈیو کے افسروں کو ریڈیائی شخصیتیں سامنے لانی چاہئیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ذرا سی کوشش سے ایسی شخصیتیں دریافت کی جا سکتی ہیں۔ اردو زبان و ادب تیار ترجمان ہے اور اس میں ہر موقع کے لحاظ سے لہجہ اختیار کرنے اور ہر مذاق کے مطابق بات چیت کرنے کی بڑی گنجائش ہے۔ یوں بھی ہمارا دعویٰ ہے کہ اردو کے مزید دلچسپ پروگرام نہ صرف مسرت بخش ہو سکتے ہیں بلکہ ذہنوں میں موجودہ حالات کے سلسلے میں گہری بصیرت بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ اردو قومی زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی کرتی رہی ہے اور اب بھی کر سکتی ہے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ کام لینا قومی فریضہ ہے اور اس کی طرف سے غفلت برتنا فرض ناشناسی۔

نہرو انعام

۱۴ نومبر کو سوویٹ لینڈ کی طرف سے جو نہرو انعام دیے گئے ان میں پہلا انعام ہندی کے مشہور شاعر سمترا نندن پنت کو، دوسرا اردو کے مشہور شاعر سردار جعفری کو اور صحافت میں پہلا انعام مشہور ہندی لیکھک بنارسی داس چترویدی کو دیا گیا۔ سردار جعفری کو ان کے تازہ مجموعے "ایک خواب اور" پر انعام ملا ہے۔ ہم ان تینوں حضرات کی خدمت میں اس انعام پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ سوویٹ لینڈ کے کارکن بھی ہماری مبارکباد کے مستحق ہیں جنھوں نے اس طرح نہرو کی یاد کو تازہ رکھنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس سے نہ صرف نہرو کی یاد تازہ ہوگی بلکہ ہند سوویت دوستی کا رشتہ اور مضبوط ہوگا۔

تصحیح ہماری زبان ۱۵ نومبر ۱۹۶۵ء کے پہلے صفحہ کی پہلی اور دوسری سطر کے اس جملے "آج سے ۱۰ سال پہلے اسی دن وہ پیدا ہوئے تھے" کو "آج سے چھہتر سال پہلے اسی دن وہ پیدا ہوئے تھے" پڑھا جائے۔ (ادارہ)

اس شمارے میں

اردو کی کتاب "بچوں کی دنیا" کا انعامی مقابلہ میں انتخاب

نئی دہلی ۱۳ ؍ مرکزی وزارت تعلیم نے اس سال بچوں کے لیے کتابوں کے ۱۱ویں مقابلہ کے نتائج کے بناء پر اردو کی کتاب "بچوں کی دنیا" مصنفہ جناب ملوک چند محروم کو ایک ہزار روپے کے نقد انعام کے لیے منتخب کیا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر بھارتی زبانوں کی ۱۳ کتابیں منتخب کی گئی ہیں۔ جن میں دو ہندی کتابیں، ایک پنجابی کتاب اور ایک سندھی کتاب بھی شامل ہے۔

اردو کے لیے آٹھ لاکھ روپے کی امداد

نئی دہلی ۱۳ نومبر۔ مرکزی وزارت تعلیم نے مختلف ریاستی حکومتوں اور اردو کی رضاکار انجمنوں کے توسط سے اردو زبان کی ترویج اور فروغ کے لیے کل آٹھ لاکھ روپیہ سے زیادہ کی گرانٹس دی ہیں۔

ممتاز اردو انجمنوں مثلاً انجمن ترقی اردو ہند اور اسلامک کلچر بورڈ کو باقاعدہ گرانٹیں دی جاتی رہی ہیں۔

اردو کی ترویج کا کام کرنے والی انجمنوں کو جدید ہندستانی زبانوں کی ترقی کے لیے وزارت تعلیم کی اسکیم کے تحت امداد دی جاتی ہے یہ امداد نہ صرف کتابوں کی اشاعت، لغات اور انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب اور ہندوستانی کلاسیکی کتابوں اور جدید ادب کے اردو میں ترجمے کے لیے دی جاتی ہیں بلکہ عمارتوں وغیرہ کی تعمیر کے لیے بھی دی جاتی ہیں علاوہ ازیں تصنیفات کی اشاعت اور اردو ادب کے انتخاب شایع کرنے کے لیے بھی امداد دی جاتی ہے۔

اب تک سرکار نے اردو سے متعلق جن کاموں میں امداد دی ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔ تلسی کی رامائن کا اردو ترجمہ، انگلش اردو لغت عربی، فارسی اور ہندی الفاظ کا اردو انسائیکلو پیڈیا، مراٹھی اردو، پنجابی لغت، سوامی وویکانند کی تصنیفات اور اردو افسانوں اور غزلیات کا انتخاب۔

اردو انجمنوں کو وزارت تعلیم کے ثقافتی پروگرام کے تحت بھی گرانٹیں دی جاتی ہیں۔ اب تک پانچ لاکھ روپے کے لگ بھگ گرانٹیں ان انجمنوں کو دی جا چکی ہیں۔

اردو کتاب "چاند کی طرف پہلا قدم" یونسکو کے انعام کیلیے منتخب

نئی دہلی ۹ نومبر۔ یونسکو کے زیر اہتمام نوخواندگان کے لیے کتابوں کے چوتھے مقابلہ میں اردو کی کتاب "چاند کی طرف پہلا قدم" انعام کے لیے منتخب کی گئی ہے۔ اس کے مصنف محمد اسحق صدیقی کو ۱۰۰۰ روپے بطور انعام دیے جائیں گے۔

یونسکو کے زیر اہتمام نوخواندگان کے لیے کتابوں کے چوتھے مقابلہ کے نتائج کی بنا پر انعامات کے لیے مختلف ہندوستانی زبانوں کی کل ۱۱ کتابیں منتخب کی گئی ہیں۔

آل انڈیا ریڈیو کے اردو پروگراموں میں توسیع کا فیصلہ

نئی دہلی ۲۹ اکتوبر۔ شریمتی اندرا گاندھی کی زیر صدارت آج یہاں آل انڈیا ریڈیو کی اردو سے متعلق مشاورتی کمیٹی کی پہلی میٹنگ منعقد ہوئی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ آل انڈیا ریڈیو کے مزید اسٹیشنوں سے اردو خبروں کے بلیٹن نشر کیے جائیں اور اس کے اردو پروگراموں کا وقفہ بڑھانے پر غور و خوض بھی کیا جائے۔ اس پروگرام میں عنقریب ہی حیدر آباد سے اردو خبروں کے ایک علاقائی بلیٹن کا آغاز بھی شامل ہے۔

مشاورتی کمیٹی کے ممبروں کا خیر مقدم کرتے ہوئے شریمتی گاندھی نے کہا کہ یہ کمیٹی اردو پروگرام کا معیار بلند کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے انھوں نے یہ امید ظاہر کی کہ ممبروں کی تجاویز سے آل انڈیا ریڈیو کو اس سروس کے لیے دلچسپ پروگرام تیار کرنے میں مدد ملے گی۔ کمیٹی نے موجودہ پروگرام کے مواد، معیار، امکان اور کامیابی وغیرہ کا جائزہ لیا اور ان کو اور زیادہ بہتر بنانے کے طریقے اور وسائل تجویز کیے۔

کمیٹی کی رائے میں ۱۹۵۹ء میں شروع کی گئی اردو مجلس کی مقبولیت کا تقاضہ ہے کہ اس کے وقت میں توسیع کی جائے۔

ٹرانسمیشن کی موجودہ حالت کے سبب پیش آنے والی دشواری کی وضاحت کرتے ہوئے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر نرائن مینن نے کمیٹی کو بتایا کہ آل انڈیا ریڈیو ... مسئلہ پر قابو پانے کے لیے دستیاب ٹیکنیکل ذرائع کے پیش نظر حتی الامکان کوشش کرے گا۔ کمیٹی نے تین ماہ میں ایک میٹنگ منعقد کرنے پر اتفاق رائے ظاہر کی۔

گزیٹر آف انڈیا جلد اوّل

نئی دہلی ۱۰ نومبر۔ پروفیسر ہمایوں کبیر گزیٹر آف انڈیا انڈین یونین کی پہلی جلد راشٹرپتی بھون میں راشٹرپتی کو پیش کریں گے۔

پروفیسر کبیر گزیٹروں پر نظر ثانی سے متعلق مرکزی مشاورتی بورڈ کے چیرمین ہیں اور انھوں نے اس کام میں شروع ہی سے گہری دلچسپی لی ہے۔ یہ اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے، ملک کے تمام پہلوؤں کا مکمل بیان کیا گیا ہے ۶۵۲ صفحات کی یہ کتاب ملک کے طبعی حالات، موسم اور آب و ہوا، پھلوں، پھولوں اور جانوروں، باشندوں، زبانوں، مذہب سماجی ڈھانچے اور سماجی زندگی پر مشتمل ہے۔ کتاب میں ایک جامع اشاریہ بھی شامل ہے۔ ہر باب اور جہاں ضروری ہوا ایک باب کا ایک حصہ کسی ایک ماہر خصوصی نے تحریر کیا ہے۔

اردو اور پنجابی نظموں کے مجموعے وزیر اعظم کو پیش کیے گئے

نئی دہلی ۴ نومبر۔ اردو نظموں کے مجموعے "قفس شیخ" کی ۱۰ کاپیاں اور پنجابی نظموں کے مجموعے "پار ہو دار ے" کی ۱۰ کاپیاں ان تصنیفات کے مصنف بمبئی یونیورسٹی کے طالب علم سردار انجم نے آج جوانوں کے لیے تحفہ کے طور پر وزیر اعظم کو پیش کیں۔

(میر خاں (جامعی))

زبان کا طبقاتی کردار اور اردو

ہر زبان اپنے سماج کے مختلف طبقوں کے معیار کے مطابق ان کے مذاق اور رجحانات کی آئینہ دار ہوتی ہے اس لیے یہ بات وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ ہر طبقہ کا لسانی معیار بھی مختلف ہوتا ہے غرض زبان کے معیار میں بھی طبقاتی فرق نمایاں رہتا ہے جیسا کہ تعلیمی، تہذیبی، معاشی یا معاشرتی معیاروں میں نظر آتا ہے۔ اس فرق یا امتیاز کو سمجھنے کا ایک موٹا سا اصول ہے سماجی تعلقات کی اساس کون آقا ہیں اور کون غلام؟ کون آجر ہیں اور کون مجرور؟ کون خام اشیاء کے مالک ہیں اور کون اُن اشیاء سے دولت پیدا کرتے ہیں؟ علاقے یا زمینیں کس طرح قانونی ملکیت بنیں اور اُن علاقوں میں بسے ہوئے لوگوں کی محنت اور خدمتوں سے کس طرح ناجائز فائدہ اٹھانے کا چلن قائم ہوا۔ اس کے لیے تاریخ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ کن لوگوں کو فرصت کے کتنے اوقات میسر آتے ہیں اور کن کو معاشی کشمکش کی وجہ سے فرصت کے اوقات میسر نہیں۔

سیاست چاہے جمہوری ہو یا اشتمالی، دونوں آئینی طور پر اس بات کا دعویٰ کرتی ہیں کہ قانون کی نظر میں سب مساوی ہیں اور کوئی طبقہ حاکم نہیں ہے اور نہ کوئی محکوم، سبھی حاکم گر ہیں۔ مگر جب فرصت کے اوقات اور مواقع نصیب ہونے کی بات سامنے آتی ہے تو معیار میں طبقاتی فرق کی حقیقت پوشیدہ نہیں رہتی کہ اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ طبقوں کے تمام معیاروں میں نمایاں فرق دکھائی دیتا ہے۔ اشتمالی معیشت میں اگرچہ قانونی طور پر مالی اور نسبی برتری مسلم نہیں ہوتی پھر بھی ذہنی قابلیت اور بصیرت کا لوہا اس میں مسلم ہے، اس لیے کہ سماج کو مستقبل کے لیے تیار کرنے اور آگے بڑھانے کے لیے دانشوروں کے مشوروں اور مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا زبان علم و فن، آسائشوں اور شائستگی کے لحاظ سے اس طبقہ کا معیار اعلیٰ ہی رہتا ہے۔

چونکہ ہندوستان کی تاریخ کے وسطی دور میں فارسی عدالتی زبان رہی، اس لیے اس کے بعد اس سے قریب کی ایک کھچڑی سی کھڑی بولی کو ابھرنے کا موقع ملا جسے ہندوی، اردو یا ہندی کہا گیا۔ جس زبان کو انگریزوں نے نظم و نسق کی آسانی کی خاطر منتخب کیا وہ اردو کے نام سے موسوم رہی۔ انتظامی اردو میں کام کرنے والے لوگ اپنی ملازمت کے مفاد میں انگریزوں کی انگریزی اور ہندوستان کی اردو پر ناز کرنے لگے اور آہستہ آہستہ یہ چلن عام ہو گیا چنانچہ فارسی انگریزی اور اردو کو ہندوستان کے ممتاز افراد نے اپنایا اور ان میں نمایاں مہارت پیدا کی۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ ہندوستان کی نشاۃ ثانیہ کے علمبردار راجہ رام موہن رائے فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ مرکز میں انگریزی مسلط رہی مگر صوبوں اور دیسی ریاستوں میں عدالتی یا درباری زبان اردو ہی (دیسی ریاستوں میں دیوناگری لپی میں) فروغ پاتی رہی۔ مہاراشٹر میں سارا پیشوا دفتر فارسی سے متاثر رہا اور دیسی ریاستوں کے گزٹ فارسی سے متاثر اردو میں چھپتے یا شائع ہوتے رہے۔

لیکن انگریز سیاست ہندوستان کی ایک زبان کے بڑھتے ہوئے قومی اور وفاقی کردار میں فرقہ وارانہ رخنہ پیدا کرنا چاہتی تھی۔ انگریزوں نے مسلم اعلیٰ طبقے میں ایک غلط قسم کا احساس برتری پیدا کیا اور اسی کے ساتھ ہندو اکثریت کے غلبے کا بیجا خوف وہ اس طبقے کے دل میں پیدا کرتے رہے۔ ہندوؤں کے دلوں میں بھی یہ اثر قائم ہوتا رہا کہ اردو محض مسلمانوں کی زبان ہے اور اس کا ہندو تہذیب سے کوئی رابطہ یا تعلق نہیں ہے حالانکہ پنجاب اور دلی کے آریہ سماجیوں کی مذہبی کتابیں اور ان کے اخبارات اردو میں شائع ہوتے تھے اور اخبارات تو آج بھی ہوتے ہیں۔ غرض انگریز سیاست نے ہندوؤں کے اس متوسط طبقے کو اردو کا دشمن بنا دیا جو انتظامی امور میں یا دفتروں میں ہمسری کرنا چاہتا تھا ورنہ اردو متحدہ قومیت کی اچھی خاصی وفاقی زبان ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ لڑائی اصل میں طبقاتی لڑائی تھی۔ کھڑی بولی کا چلن جب خوب بڑھا تھا تو فارسی کا دور ختم ہو چکا تھا۔ اس کے بعد ہونا تو چاہیے تھا کہ کھڑی بولی میں ہر صوبے کی زبان کے الفاظ کو سمونے کی کوشش کی جاتی مگر اس کے برعکس مذہبی جذبے کے تحت سنسکرت کے الفاظ کو ٹھونسا جانے لگا اور مسلم اعلیٰ طبقے نے بھی اردو کو اپنا طبقاتی کردار عطا کر کے اردو کو بہت نقصان پہنچایا۔ انھوں نے اپنے طبقاتی مذاق، نفاست پسندی اور لب و لہجے کی برتری سے جس میں نخوت اور رعونت زیادہ کارفرما تھی ہندی نواز ہندو متوسط طبقے کو اردو کا دشمن بنا دیا۔ مسلم اعلیٰ طبقے نے اردو نواز پنجابی بھائیوں کے لب و لہجے کا مذاق یا تمسخر اڑایا، سکھوں کے اکھڑپن پر پھبتیاں کسیں غرض اپنے سے کمتر لوگوں کو ذلیل کرنے کا انجام یہ ہوا کہ پچھلی قرنوں میں بعد بڑھتا گیا۔ پنجاب اور بنگال جنھوں نے ٹیگور اور اقبال جیسے شہرۂ آفاق شعراء پیدا کیے اور کرشن چندر جیسا عظیم افسانہ نگار پیدا کیا تقسیم ہو گئے۔ یہ ہماری تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ جب طبقاتی امتیاز انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو صلاحیت اور قابلیت کی قدریں خاک میں مل جاتی ہیں۔ لکھنؤ کے جامد ماحول میں بیچارے میر نے طبقاتی امتیاز کی کیا کیا اذیتیں اور ذلتیں برداشت نہ کی ہوں گی۔ مسلم اعلیٰ طبقے کی نفاست پسندی نے نظیر اکبر آبادی اور حالی کو بھی درجۂ اعتنا نہ سمجھا تھا۔

ہماری جدید جمہوری قومیت کے ارتقا میں اردو کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے اور آج بھی ہے۔ اگرچہ اردو کا ابھی کوئی مخصوص علاقہ نہیں ہے پھر بھی وہ مرحوم نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس وہ بالواسطہ طور پر ہندی کے نام پر وفاقی اور بین الاقوامی فرائض انجام دے رہی ہے۔

ابھی حال ہی میں دہلی یونیورسٹی کے تقسیم اسناد کے موقع پر ہمارے نائب صدر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے بجا طور پر تنقید کی تھی کہ "یونیورسٹیوں کو لسانی بحث میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اگر ہم اپنے نوجوانوں کی تعلیم ہی کی فکر کرتے اور لسانی پاکیزگی اور الفاظ کی کلچرل وابستگیوں کے جھگڑے میں نہ پڑتے تو ہمارا سارا انداز فکر و تحریر علمی ڈھنگ کا ہوتا اور اپنی ہی زبانوں میں ہوتا اور اسی کے ساتھ ہم انگریزی کو باہر کی دنیا سے رابطہ قائم رکھنے کے لیے سیکھتے اور اس کی قدر کرتے۔"

ہم میں خرابی یہی رہی کہ ہم کلچرل وابستگیوں کی دھن میں یہ بھول گئے کہ ہم جدید زندگی میں رخنے پیدا کر رہے ہیں۔ زبان و ادب ہو یا فن ورزش یا فن حرب یا فنون لطیفہ ان میں جب ہم تاریخی طور پر نئے تہذیبی دھاروں سے دوچار ہو چکے ہیں تو انھیں خوشی سے اپنا کر ہمیں اپنا تہذیبی سرمایہ بڑھانا چاہیے، اس لیے کہ ہم اس طرح ایک عالمگیر انسانیت اور برادری کے تہذیبی تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں۔ ہندوستان میں فارسی آئی اور بعد میں انگریزی تو ان کے ساتھ صوفی مت، ایرانی طرز تعمیر، موسیقی اور یوروپی طرز تعمیر اور آرکسٹرا وغیرہ کی باتیں آئیں۔ مصوری میں ماڈرن آرٹ کو بھی ہم یک قلم برطرف نہیں کر سکتے اس لیے کہ ایسا کرنا ہمارے تہذیبی سرمایے کے ساتھ بے انصافی ہوگی اور تاریخ کے دھاروں کے خلاف جنگ کرنا سعی لاحاصل ہوگی۔ بقول ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب "پنڈت نہرو کی تمامتر توجہ اور دلچسپی چیزوں میں ہوتی تھی۔ سچائی، انصاف اور سب کے بھلے میں اُن کے ایمان کو عقل اور تاریخ سے روشنی اور تقویت حاصل ہوتی تھی۔"

ابھی تو ہمارے سامنے اپنی جدید قومیت کی کلچرل بنا کو مکمل کرنے کا کام ادھورا پڑا ہے۔ اس قومیت کو آنے والی سائنسی ترقیوں کے خیر مقدم اور اُن کی جستجو میں اپنے ذہنی اور فکری دروازے کھلے رکھنے ہیں۔ انسانیت کے روشن مستقبل کے لیے بھی عصری بیداری کی ضرورت ہے۔ ہماری قومی یکجہتی کا بنیادی لسانی تقاضا یہ ہے کہ سہ لسانی فارمولے کے مطابق شمالی ہند کی ریاستوں خصوصاً یو۔پی اور بہار میں جنوبی ہند کی کسی ایک زبان کو تعلیم میں رائج کیا جائے تاکہ جنوبی ہند والوں کو آئندہ ان لسانوں میں شمالی ہند کے اندر غیریت محسوس نہ ہو۔ ماضی میں یو۔پی اور بہار والوں نے طبقاتی ہمسری کو فرقہ دارانہ رنگ دیا اور اردو کی وفاقی خدمات سے انکار کیا۔ انگریزی کی وفاقی خدمات سے اب انکار اس لیے ممکن نہیں ہے کہ انگریزی بین الاقوامی افادیت اور تعلیمی اہمیت کے لحاظ سے ناگزیر ہے اور دفتروں میں ملازمتوں کے میدان میں مقابلہ بھی جنوبی ہند والوں سے آن پڑا ہے۔

کاش ہماری مرکزی یا یونین سرکار کو یہ بصیرت عطا ہو کہ وہ مرکز اور کھڑی بولی کی ریاستوں میں اردو کو اس کا جائز کلچرل منصب عطا کرے اور اسے علاقائی زبان تسلیم کرے تاکہ وہ زیادہ گرمجوشی سے قوم اور ملک کی خدمت کر سکے اور ماضی میں نادانستہ طور پر ہم سے جو غلطیاں ہوئیں اور ان غلطیوں کی وجہ سے جو تلخیاں پیدا ہوئیں اور بڑھیں ان کی تلافی ہو سکے۔

سلام مچھلی شہری

یہ جنگ اصولوں کی!

میں اک شاعر کے ناطے ان دنوں بھی سوچتا یہ ہوں:
"نہ جانے کب زمانہ اپنی اس منزل پہ آئے گا
جہاں انسان کو انسان سے نفرت نہ ہو کوئی
جہاں تہذیب کی معراج ہو امن و محبت ہو
جہاں انسان کا نورِ خرد ہر سمت دھرتی پہ
سجا دے مسکراتے چاند اور تاروں کے گلدستے!
فضائے بزمِ عالم مضطرب ہے ایک مدت سے
جو اس ماحول میں کوئی سکوں کی بات کرتا ہے
تو خود اس کے پڑوسی اس پہ برساتے ہیں انگارے
وہ ہندوستان جو ہر دور میں تھا امن کا حامی
وہ ہندوستان جو اس دور میں بھی شمعِ منزل ہے
نقیبِ جلوۂ دل ہے۔
اسی پر کر دیا ہے آج پاکستان نے حملہ
بہ مجبوری سرِ میدان
بہ برق و شرر بن کر
نکل آنا پڑا بھارت کو بھی اپنے تحفظ میں
بچانا ہے اسے اس جنگ میں اپنے اصولوں کو
اسے محفوظ رکھنا ہے حسیں دھرتی کے پھولوں کو:
میں نازاں ہوں کہ تو ہے مجھے بھارت کے جلوؤں نے
سکوں کی لوریاں دی ہیں مجھے گنگا کی لہروں نے
دعائیں دی ہیں مجھ کو کرشن اور رادھا کے گیتوں نے
بھری ہے آگ مجھ میں "رقصِ شنکر" کی فضاؤں نے۔
میں اک شاعر کے ناطے رنگ و نکہت کا پجاری ہوں
میں ہندوستان کی پُرنور عظمت کا پجاری ہوں
میں جن قدروں کا عاشق ہوں
انھیں کا یہ تقاضہ ہے:
"ہمیں اس جنگ میں حملہ وروں کو یہ بتانا ہے
کہ ہندوستان کی جمہوریت آدرش رکھتی ہے
مگر آساں نہیں آدرش کے جلوؤں سے ٹکرانا
اگر ٹکرائے گا کوئی تو اس کو ہار جانا ہے"
ہمارا ہر قدم پابند ہے بس ان اصولوں کا
ہماری جیت ہے اس جنگ میں یہ سب پہ واضح ہے
کہ ہم امن کے حامی ہیں اور اپنے تحفظ میں
ہمیں لڑنا پڑے گا جب تلک لڑنا ضروری ہے!

سوویت لینڈ نہرو انعامات کا اعلان

سردار جعفری کے شعری مجموعے پر ساڑھے سات ہزار روپے کا انعام

نئی دہلی ۱۲ر نومبر ہندوستان کے ادب، صحافت اور مصوری کے نمائندہ کارناموں پر سوویت لینڈ نہرو انعامات ۱۹۶۵ء کا اعلان کر دیا گیا۔ ان کارناموں سے عالمی امن اور ہندوستان و روس کی دوستی کو بڑھاوا ملے گا۔

یہ انعامات سوویت لینڈ نے پنڈت جواہر لال نہرو کی یاد منانے کے لیے شروع کیے ہیں۔ پنڈت نہرو ساری زندگی دنیا کے مختلف ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات بڑھانے اور پوری دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے جو انتھک کوششیں کرتے رہے ہیں یہ انعامات ان کا اعتراف ہے۔ نہرو انعامات کمیٹی کے چیرمین جناب کے۔ پی۔ ایس مینن اور غیر ملکی ادب کے چیف ایڈیٹر نے مندرجہ ذیل انعامات کا اعلان کیا۔

۱۹۶۵ء کے ادبی انعامات

پہلا انعام پندرہ ہزار روپے: ہندی کے مشہور شاعر سمترا نندن پنت کو ان کے شعری مجموعے "لوکائتن" اور دوسری نظمیں "پر دیا گیا۔

دوسرا انعام ساڑھے سات ہزار روپے: اردو کے مشہور شاعر علی سردار جعفری کو ان کے شعری مجموعے "ایک خواب اور" پر دیا گیا۔

تیسرا انعام پانچ ہزار روپے: جگجیت سنگھ کو شولوخوف کے ناول "ورجن سوائل اپ ٹرنڈ" کے پنجابی ترجمے پر دیا گیا۔

سرشٹی جوشی اور جینت پاٹھک کو شولوخوف کے ناول "اینڈ کوائٹ فلوز دی ڈان" کے گجراتی ترجمے، امرت رائے کو نکولائی استروسکی کے ناول "ہاؤ دی اسٹیل واز ٹیمپرڈ" کے ہندی ترجمے، لنگا راجو کو گورکی کے ناول "مدر" کے تلگو ترجمے، شریمتی سیوا ابھیراگی کو چیخوف کی کہانیوں کے کنڑ ترجمے، راہو ناتھن کو گورکی کے ناول "مدر" کے تامل ترجمے اور ایس آر راؤ کو مایاکوفسکی کی نظموں کے ترجمے کے ایک ایک ہزار روپے کے انعامات دیے گئے۔

صحافتی انعامات: پہلا انعام پانچ ہزار روپے جناب بنارسی داس چترویدی کو ان کے ہندی مضامین کے مجموعے "روس کی ساہتیک یاترا" پر دیا گیا۔

دوسرا انعام ڈھائی ہزار روپے: جناب روبی شنکر راول کو گجراتی مضامین کے مجموعے "میں نے ایک نئی انسانیت دیکھی" پر دیا گیا۔

تیسرا انعام ڈیڑھ ہزار روپے: جناب یونس کو ان کے ملیالم مضامین کے مجموعے "روس کے شخصیت" کے لیے، جناب شنو کورتی کو بنگالی مضامین کے مجموعے "ہمالیہ سے منجارو تک"، جناب انجم کو ان کے سندھی مضامین کے مجموعے "بھارت روس دوستی"، جناب ستیش کمار کے ہندی مضامین کے مجموعے "نیا سپنا دنیا کا سب سے بڑا سفر"، جناب پروفیسر سید عبد الملک کو آسامی مضامین کے مجموعے "دھرتی آسمان میں" اور روی لکشمی کماری چٹا ادت کے ہندی مضامین کے مجموعے "نہرو کی شخصیت کے تین پہلو" پر پانچ پانچ سو روپے کے انعامات دیے گئے۔

ان کے علاوہ دو بچوں کو ان کی تصویروں پر بھی انعامات دیے گئے۔ ادبی انعامات میں نقد رقم کے ساتھ دو ہفتے کی مدت کی مفت سیر بھی شامل ہے۔

مراسلہ

مثنوی عشق نامہ

۲۲ ستمبر ۱۹۹۵ء کے "ہماری زبان" میں ایک مراسلہ نظر سے گذرا جس میں "زمانہ" کانپور، جولائی ۱۹۱۰ء کے ایک مضمون کے حوالے سے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ کیا "مثنوی عشق نامہ" اسیر لکھنوی کی تصنیف ہے مراسلہ نگار نے "زمانہ" کے مضمون کا جو اقتباس درج کیا ہے اس میں قلق لکھنوی سے ایک روایت منسوب کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "مثنوی عشق نامہ" واجد علی شاہ نے اسیر سے کہلوائی تھی لیکن اس اقتباس میں اس کا بیان نہیں کیا گیا کہ اس روایت کا ماخذ کیا ہے کسی مستند ماخذ کے بغیر کوئی تحریری یا زبانی روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی

اسیر لکھنوی کے نہایت باخبر اور ثقہ شاگرد امیر مینائی نے اپنے تذکرے "انتخاب یادگار" میں ان کی تصانیف نظم و نثر کی جو فہرست دی ہے اس میں مثنویوں کا بھی ذکر ہے۔ امیر مینائی لکھتے ہیں:

"چند مثنویاں کہ ان میں سے ایک عاشقانہ مسمی درۃ التاج حسب فرمائش بادشاہ ہندوستان کی ہے اور ایک میں نواب امین الدولہ وزیر لکھنؤ کے زخمی ہونے کا حال ہے اور باقی مثنویاں دینیات میں ہیں جن میں ایک کا نام معارج الفضائل ہے اور اس میں معجزات ائمہ معصومین علیہم السلام کے موزوں ہیں"

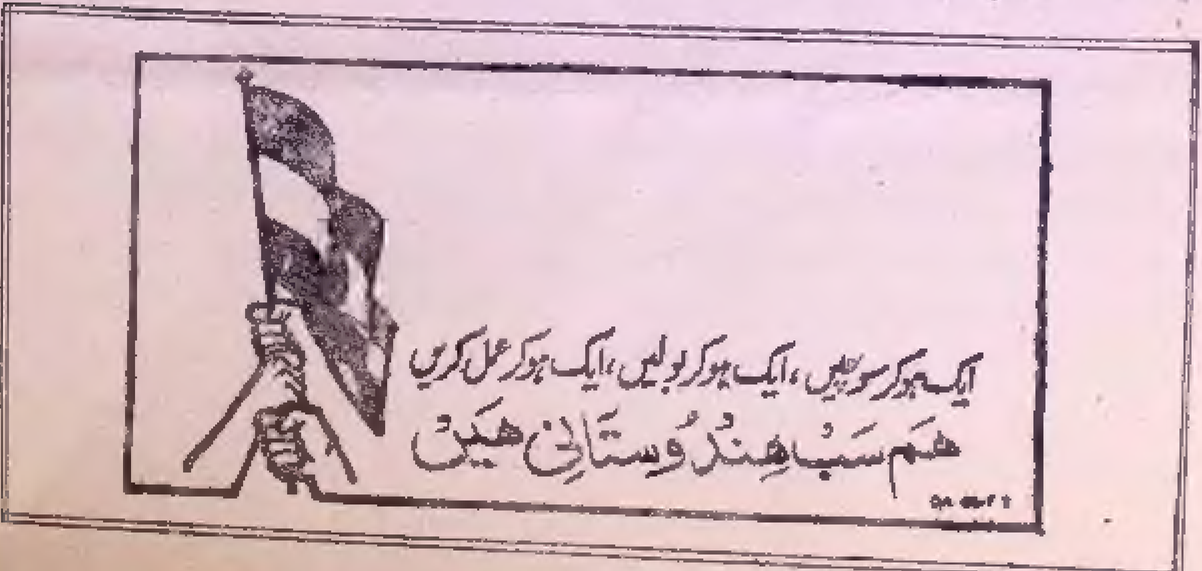
(انتخاب یادگار، طبقہ دوم ص ۱۴۱)

بظاہر امیر مینائی نے اسیر لکھنوی کی تمام مثنویوں کا ذکر کر دیا ہے اور ان مثنویوں کے علاوہ کوئی اور قابل ذکر مثنوی ان کی تصنیف نہیں ہے یا کم از کم ان کے نام سے منسوب نہیں ہے۔ مزید یہ کہ واجد علی شاہ کی فرمائش پر ایک عاشقانہ مثنوی انھوں نے لکھی تھی لیکن اس کا نام "درۃ التاج" تھا۔ اب اگر یہ ثابت ہو سکے کہ مثنوی درۃ التاج ہی کا دوسرا نام عشق نامہ ہے تب تو مثنوی عشق نامہ اسیر کی تصنیف قرار پائے گی ورنہ نہیں۔ چونکہ مجھے درۃ التاج دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا اس لیے میں کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں۔ دونوں مثنویاں مختلف ہیں اور "زمانہ" کے مضمون نگار کی روایت بھی بالکل بے بنیاد نہیں ہے تو بہت ممکن ہے کہ اس روایت کا تعلق درۃ التاج سے ہو کیونکہ درۃ التاج بھی عشقیہ مثنوی تھی اور بادشاہ کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔

نام نہاد مثنوی عشق نامہ کا جو مطبوعہ نسخہ حمیدیہ کالج بھوپال کی لائبریری میں ہے اس کا پہلا مطبوعہ صفحہ (۷) اور آخری مطبوعہ صفحہ (۷۳۶) ہے۔ یہ نسخہ نہ صرف "ناقص الطرفین" ہے بلکہ درمیان میں ۲۰۵ سے ۲۰۸ تک صفحہ ۲۱۳ سے ۲۲۶ تک، صفحہ ۲۸۱ سے ۳۰۴ تک، صفحہ ۵۲۵ سے ۵۲۸ تک، صفحہ ۶۲۵ سے ۶۸۰ تک، صفحہ ۶۹۷ سے ۷۰۴ تک اور ۷۱۷ سے ۷۳۲ تک، کل ملا کر ۱۲۴ صفحات بھی غائب ہیں۔ صفحہ ۷۲۳، ۷۳۴ اور ۷۳۵ غالباً چھپائی اڑ جانے کی وجہ سے سادہ رہ گئے ہیں۔ ابتدا میں جلد سے وابستہ صفحہ پر ہاتھ سے "پری خانہ۔ از واجد علی شاہ اختر اردو مطبوعہ" لکھا ہوا ہے جس میں "پری خانہ" دوسری روشنائی سے کاٹ دیا گیا اور اسی روشنائی سے دوسرے خط میں نیچے "عشق نامہ واجد علی شاہ" درج کر دیا گیا ہے۔ مثنوی (۶×۱۰) کے سائز پر طبع ہوئی ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ مثنوی واجد علی شاہ کی اسی فارسی خود نوشت کی منظوم شکل ہے جس کا ترجمہ فدا علی خنجر نے محل خانہ شاہی کے نام سے اردو نثر میں کیا ہے لیکن مثنوی کے مصنف اور طابع وغیرہ کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مثنوی کا نام بھی مطبوعہ نہیں ہے بلکہ کسی نے اس پر لکھ دیا ہے۔ پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی ادیب کے کتب خانہ میں اس مثنوی کا جو دوسرا مطبوعہ نسخہ ہے اگر اس کی بھی یہی حالت ہے تو اس مثنوی کے صحیح نام، مصنف اور زمانۂ تصنیف و اشاعت وغیرہ کے دوسرے معتبر ماخذ کی تلاش و جستجو ضروری ہے۔

مجھے امید ہے کہ اس موضوع پر مزید تحقیق میں یہ تصریحات کارآمد ثابت ہوں گی۔

(ابو محمد سحر)



ذکا صدیقی

مہنگی کتابوں کا کم خرچ سلسلہ

دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں مختلف علوم و فنون کی کتابیں زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانے کے لیے کم قیمت ایڈیشن چھاپنے کا رواج ہے۔ اس کی پشت پر خدمت علم و ادب اور تجارتی مفاد دونوں کام کر رہے ہیں۔ کم قیمت کتابیں چھاپنے والا ایک مشہور ادارہ پینگوین ہے جو بڑی بڑی قیمتوں کی کتابوں کو بھی نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ علم و ادب سے فائدہ اٹھانے کا حق صرف زرداروں ہی کو نہیں بلکہ ناداروں کو بھی پہنچتا ہے لیکن مہنگی کتابیں ناداروں تک کیسے پہنچیں؟ اس کی صرف دو صورتیں ممکن ہیں۔ ایک تو یہ کہ زیادہ سے زیادہ لائبریریاں قائم کرکے یہ موقع فراہم کیا جائے اور دوسرے یہ کہ ناشرین مہنگی کتابوں کے سستے ایڈیشن بھی شایع کریں۔ اس طرح علم و ادب کی ترویج و اشاعت کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ مشرقی ممالک کے مقابلے میں کہیں زیادہ دولتمند ہیں لیکن ناداروں کا وجود وہاں بھی ہے اس لیے وہاں پینگوین اور اسی انداز کے بہت سے ادارے اپنے پڑھنے والوں کے لیے کم سے کم قیمت میں اعلیٰ ادب چھاپتے رہتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ یہ سستی کتابیں اتنی پائیدار نہیں ہوتیں جتنے انھیں کتابوں کے مہنگے ایڈیشن ہوتے ہیں مگر بہر حال ان کے ذریعے مطالعے کے ذوق کی تسکین تو ہوتی ہی ہے۔

ادھر چند سال سے ہندوستان میں بھی ہندی اور دوسری زبانوں میں ایسے سلسلے شروع ہو گئے ہیں اور غریب لیکن باذوق اور مطالعے کے شائق لوگوں کے لیے بہت سہولت ہو گئی ہے۔ اردو والے اب تک ایسے کسی سلسلے سے محروم تھے۔ اگرچہ اردو پاکٹ بکس نے کچھ نہ کچھ کتابیں سستے داموں پیش کی ہیں لیکن ایک تو پاکٹ بکس میں شامل ہونے والی کتابیں اکثر و بیشتر ہلکے پھلکے موضوعات سے متعلق تھیں دوسرے ان میں کوئی ضخیم کتاب پیش نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس لیے اس بات کی ضرورت باقی تھی کہ سستی کتابوں کا ایک ایسا سلسلہ اردو دنیا میں متعارف کیا جائے جس میں زیادہ اہم اور ضخیم کتابیں بھی چھاپی جائیں۔ پاکٹ بکس کی ایک مقررہ قیمت (جو زیادہ تر ایک روپیہ ہوتی ہے) اور اس کا مختصر سائز بڑی اور ضخیم کتابیں شایع کرنے اور بازار میں لانے کے لیے غیر موزوں بھی تھا اور تجارتی نقطۂ نظر سے مخدوش بھی۔ اس لیے بہت سے غیر ذمے دار ناشروں نے یہ بھی کیا کہ اگر کسی ضخیم کتاب کو چھاپا تو کبھی اول سے کبھی درمیان سے اور کبھی آخر سے اس کے صفحوں کے صفحے حذف کر دیے کیونکہ صرف اسی طرح وہ ایک روپیہ قیمت برقرار رکھ سکتے تھے۔ اختصار کا یہ کام اگر سلیقے سے ہوتا تو گوارا تھا۔ ضخیم کتابوں کے اختصار چھاپے ہی جاتے ہیں مگر عبارت میں ربط بھی باقی رکھا جاتا ہے تاکہ مضمون یا کہانی کا مطلب خبط نہ ہو جائے۔ یہاں اتنا سلیقہ کسے تھا اور اتنی ادبی دیانت کس میں تھی جو خریدار کی اس ذہنی الجھن کا لحاظ کرتا جس سے وہ پڑھتے پڑھتے صفحات کے غائب ہو جانے کی صورت میں دوچار ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی بڑی کتاب کا جتنا حصہ ڈیڑھ سو صفحات میں سما گیا وہیں کتاب کو ختم کر دیا۔ اب خریدار عجیب خلجان میں گرفتار ہے کہ آخر اس کتاب کا مفہوم اور مقصد کیا تھا اور یہ کہانی یا یہ مضمون ایک دم کیسے ختم ہو گیا! اگرچہ پاکٹ بکس چھاپنے والے دو تین ادارے اب بھی ایسے ہیں جنھوں نے اس قسم کی بدعنوانی نہیں برتی تاہم اس جیسی مثالوں نے اردو پڑھنے والوں کو پاکٹ بکس کی طرف سے بددل اور بدگمان کر دیا۔

خوشی کی بات ہے کہ اردو والوں کے لیے حال ہی میں کتاب کار رامپور نے عوامی لائبریری کے زیر اہتمام مہنگی کتابوں کے سستے ایڈیشن چھاپنے کا آغاز کیا ہے اور اب تک اس سلسلے میں سات کتابیں شایع ہو چکی ہیں۔ یہ سلسلہ اردو پڑھنے والوں کا پہلا علمی سلسلہ ہے اس میں کتابوں کی علیحدہ علیحدہ قیمتیں رکھی گئی ہیں جو ایک روپے سے تین روپے تک ہیں۔ ان میں سے اکثر کتابوں کی پچھلی قیمتیں موجود قیمتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھیں۔ عوامی لائبریری کے سلسلے کی کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ **حرف حرف** :۔ یہ فیض احمد فیض کے کلام کا مکمل ترین ایڈیشن ہے، یعنی اس میں ان کے مجموعہ ہائے کلام ’نقش فریادی‘ (۱۹۴۱ء)، ’دست صبا‘ (۱۹۵۲ء)، ’زنداں نامہ‘ (۱۹۵۸ء) اور ’دست تہ سنگ‘ (۱۹۶۴ء) چاروں کتابوں کی ساری تخلیقات یکجا کر دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا وہ غیر معروف کلام بھی جو مختلف رسائل میں کبھی چھپا تھا اور مذکورۂ بالا کسی مجموعہ میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔

۲۔ **چھیڑ غالب سے چلی جائے** :۔ مولانا حالی نے پہلی بار غالب میں ”حیوان ظریف“ کا پتہ لگایا تھا۔ پھر اس کے بعد بہت سے اہل قلم نے غالب سے چھیڑ چھاڑ کی اور بے شمار ڈرامے، پیروڈیاں، فیچر اور مزاحیہ مضامین لکھے گئے۔ ”چھیڑ غالب سے چلی جائے“ ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں غالب سے متعلق مذکورہ بالا انداز کی تحریروں کا ایک خوبصورت انتخاب شامل کیا گیا ہے قیمت ۲ روپے

۳۔ **پری خانہ** :۔ اودھ کے آخری تاجدار رنگیلے پیا جان عالم واجد علی شاہ کے معاشقوں کی دلچسپ روداد ہے اور اس لحاظ سے معتبر ترین کہ اس داستان کو خود واجد علی شاہ نے لکھا ہے۔ ان کی شخصیت ہمیشہ سے پرکشش رہی ہے۔

اس کتاب کا مہنگا ایڈیشن چار روپے قیمت کا تھا مگر عوامی لائبریری سیریز میں یہ نصف قیمت یعنی دو روپے میں مل سکتی ہے۔

۴۔ **چچا چھکن** :۔ اردو ادب میں سرشار کے خوجی کے بعد

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

عبداللطیف اعظمی

اردو نثر کے اسالیب پر سمپوزیم

انجمن ترقی اردو دلی شاخ جامعہ نگر کا ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں اردو نثر کے اسالیب پر مختلف ادیبوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

آج سے کوئی چھ سال پہلے پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب نے "اردو نثر کا بنیادی اسلوب" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں موصوف نے اردو نثر کے بنیادی اسلوب کو متعین کرنے کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی تھی۔ موصوف نے لکھا تھا کہ "بنیادی اسلوب کو متعین کرنے کی ضرورت اس لیے اور بھی پیش آئی کہ اور باتوں سے قطع نظر زبان کے مسئلے نے انتقال آبادی اور تقسیم ملک کے بعد جو پیچیدہ لسانی اور تہذیبی رنگ اختیار کر لیا ہے، وہ پہلے کبھی اس شدت سے سامنے نہیں آیا تھا۔" موصوف نے اپنے اس طویل مضمون میں بنیادی اسلوب کی جو خصوصیات بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔ زبان کو مقصد کا پابند ہونا چاہیے، مطالب کے اظہار و ابلاغ کا موثر آلہ ہو جس کے اثر انگیزی، دلائل کی پختگی، واقعیت پسندی، اختصار اور صلابت ہو، جو کچھ بیان کیا گیا ہو وہ کانٹے پر تلا ہو جتنے اور جو الفاظ آئے ہوں وہی اور اتنے ہی معنی ہوں، نہ کم نہ بیش، ٹھنڈے دل سے سارے نشیب و فراز پر نظر رکھ کر لکھی گئی ہو، ذاتی رد عمل سے پاک ہو، جامد نہ ہو متحرک ہو بے ساختہ ہو، شعر و شاعری کے مانند نہ ہو جہاں عدم تسلسل اور منطقیانہ لگتے ہیں، جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مدوجزر کی مانند ذہن کبھی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے کبھی پیچھے ہٹنے لگتا ہے۔ ان خصوصیات کی روشنی میں، پروفیسر رشید صدیقی صاحب کے خیال میں، "اردو نثر کے بنیادی اسلوب کے نمونے سرسید، حالی، عبدالحق (بابائے اردو) اور ڈاکٹر عابد حسین کی تحریروں میں ملتے ہیں۔" موصوف نے لکھا ہے کہ "ان کے علاوہ چند اور لکھنے والوں کی طرف بھی ذہن منتقل ہوتا ہے جن کی تحریر کا انداز معیاری اسلوب سے ملتا جلتا ہے مثلاً شیخ عبدالقادر، مرزا ہادی رسوا، عبدالسلام ندوی، فرحت اللہ بیگ، پروفیسر مسعود حسن رضوی۔"

تقریباً اسی بنیاد پر جناب انور صدیقی صاحب (لکچرر انگریزی جامعہ کالج) نے اس جلسے میں "اردو نثر کی تشکیل کا مسئلہ" کے عنوان سے مضمون پڑھا جس میں موصوف نے اردو نثر کے مروجہ عام اسلوب اور مقبول عام رجحان سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ "اردو والوں نے ادب اور فنون لطیفہ کے میدان میں آج تک جو کچھ کیا ہے تو صرف یہی کہ انھوں نے اچھی اور بری شاعری کی ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ جب بھی نثر لکھی ہے، یا لکھنے کی کوشش کی ہے، نثر کا حق کم ادا کیا ہے اور شاعری کا زیادہ۔" موصوف نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہمارے یہاں اردو میں مولانا حالی اور سرسید کو چھوڑ کر بیشتر صاحب طرز ادیبوں کے ذہن میں آج تک نظم و نثر کا امتیاز واضح نہیں ہے، یہاں بغیر شاعری کے چٹخارے کے نثر مردہ اور بے جان سمجھی جاتی ہے۔ اردو نثر کے ایسے نمونے آپ کو مشکل سے ملیں گے جن میں شعر کی مدد کے بغیر جادو جگائے گئے ہوں۔" انور صدیقی صاحب نے اپنے مضمون میں انگریزی کے کسی مضمون کی پیروی میں دو اصطلاحیں استعمال کی ہیں ایک مہذب نثر دوسری شعر زدہ نثر۔ مہذب نثر ان کے نزدیک وہ ہے جو سادہ سلیس، عام فہم اور بول چال سے قریب ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسی نثر کا رواج عام کرنا چاہیے۔

راقم الحروف (عبداللطیف اعظمی) نے اس کے جواب میں مضمون پڑھا اور عرض کیا کہ مہذب نثر کی اصطلاح ممکن ہے انگریزی کے کسی نمونے کے لیے صحیح ہو، مگر اردو نثر کے لیے یہ اصطلاح صحیح نہیں ہے۔ میرے نزدیک پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب کی اصطلاح بنیادی اسلوب، مناسب اور صحیح ہے۔ میں نے آگے چل کر عرض کیا کہ اگر اس تقسیم کو مان بھی لیا جائے کہ اردو نثر کا کچھ حصہ "مہذب نثر" اور بقیہ "شعر زدہ نثر" تو اس سے اتفاق کرنا مشکل ہے کہ مہذب نثر کے نمونے صرف سرسید اور حالی کے یہاں ملتے ہیں۔ انور صاحب جس نثر کو مہذب نثر کہتے ہیں۔ اس کے نمونے فورٹ ولیم کالج کے دور سے لیکر آج تک متعدد نثر نگاروں کے یہاں مل جائیں گے۔ انھوں نے مہذب نثر کی خصوصیات میں اس پر بہت زور دیا ہے کہ اسے عام فہم اور بول چال کی زبان سے قریب ہونا چاہیے اس معیار پر مولوی عبدالحق صاحب، خواجہ حسن نظامی اور مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی نثر پوری اترتی ہے۔ اسی طرح سنجیدہ اور علمی موضوعات کے لیے جس قسم کی اصغر گونڈوی کے الفاظ میں پروقار نثر کی ضرورت ہے اس کی اردو ادب میں قطعاً کمی نہیں ہے۔ شبلی اور حالی کے بعد آنے والی نسل میں جدید تعلیم یافتہ میں سے ڈاکٹر سید عابد حسین، ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر محمد مجیب، مولانا عبدالماجد دریابادی کو اور قدیم تعلیم یافتہ میں سے مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا محمد اسلم جیراجپوری اور مولانا عبدالباری ندوی کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، آل احمد سرور اور سید احتشام حسین کا موضوع صرف ادب ہے، اس لیے ان کے یہاں رنگینی اور عبارت آرائی بڑی حد تک ناگزیر ہے مگر ان کی زبان اور طرز ادا کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پروقار اور سنجیدہ نہیں ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور پروفیسر رشید احمد صدیقی کا اسلوب بالکل الگ اور منفرد ہے، مگر مجھے یقین ہے کہ ان کی نثر کو بھی کوئی نقاد غیر مہذب نہیں

؎ اصغر گونڈوی کا یہ قول انور صدیقی صاحب نے پیش کیا تھا کہ "زبان کا اصلی وقار اس کے سنجیدہ سرمایۂ علمی سے ہے نہ کہ خوب صورت و لطیف طرز انشاء سے۔" لطیف اعظمی

کیے تھے۔ مضمون کے آخر میں یہ عرض کیا کہ اردو نثر نے اپنی مختصر عمر میں حالات کو دیکھتے ہوئے کافی ترقی کی ہے، اس میں ہر طرح کے نمونے ہیں اور یہ نمونے اپنے موضوع، اپنے بیان اور اپنے انداز کے لحاظ سے ضروری ہیں اور ان سے نثر اردو کے چمن کی زینت اور خوبصورتی میں بہر حال اضافہ ہوتا ہے، جو نمونے زمانے کے بدلتے ہوئے مذاق اور رجحان کا ساتھ نہیں دے سکے وہ رفتہ رفتہ ختم ہو رہے ہیں، آزادی وطن کے بعد دوسرے ممالک سے ہمیں طرح تعلقات میں وسعت پیدا ہو رہی ہے اور اردو کے ادیبوں کو دوسری زبانوں کے نئے نئے نمونوں سے واقفیت ہوتی جاتی ہے،

اسی لحاظ سے اردو ادب میں تبدیلی ہو رہی ہے، ضرورت صرف اس کی ہے کہ نئے لکھنے والے اردو کے پچھلے سرمایہ کو حقیر نہ سمجھیں اور دوسری زبانوں کے ادب کی چمک دمک سے اس قدر مرعوب نہ ہوں کہ اپنے ماحول، اپنے مزاج اور اپنی ادبی روایات کو بالکل نظر انداز کر کے دوسروں کے انداز اور خیالات کو جوں کا توں لے لیں، مجھے معلوم ہے کہ قدیم ادب کی خوبیوں کو ترک کیے بغیر نئے ادب کی اچھائیوں کو اختیار کرنے میں ریاضت کی ضرورت ہوگی، لیکن کوئی ادب پائدار اور زندہ نہیں کہا جائے گا جب تک اس کے لکھنے والے ریاضت سے کام نہ لیں۔

جناب محمد ذاکر صاحب، لکچرر اردو جامعہ کالج نے بھی اسی موضوع پر ایک مضمون پڑھ کر سنایا۔ موصوف نے مختلف اصناف سخن کے اسالیب پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ تفریح طبع کے لیے لکھنے والے کا انداز وہ نہیں ہو سکتا جو تہذیب طبع کے لیے لکھنے والے کا ہوگا۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور بعد میں سب رس کے مصنف (وجہی) کے زمانے سے فورٹ ولیم کالج کے مصنفین اور فسانۂ عجائب کے مصنف کے عہد تک مختلف لکھنے والوں کے انداز میں بھی نمایاں فرق ہے، حالانکہ سماجی نظام اور تہذیبی ادارے بڑی حد تک یکساں طور پر کام کر رہے تھے۔ اردو ادب کے دور قدیم یا کلاسیکی دور اور متوسط دور کو چھوڑ کر اگر ہم صرف دور جدید ہی کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ ہر مصنف اپنے مخصوص تربیتی انداز سے متاثر ہو کر اپنا اسلوب نگارش اختیار کرتا ہے، اس کا مقصد اور اس کی شخصیت اسے نامعلوم طور پر ایک خاص طریقے سے بات کرنے پر مجبور کر دیتی ہے، مقصد کے فرق ہی کی وجہ سے ایک ہی مصنف کے یہاں ایک سے زیادہ اسلوب مل جاتے ہیں، غالب کی نجی تحریریں جو اردو نثر کا بے بہا سرمایہ ہیں، ان کی دوسری نثری تحریریں مثلاً تقریظوں سے جدا اسلوب رکھتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ اثر زمانے کے عام مذاق کے مطابق نثر نویسی کے مروجہ طریقے سے متاثر ہو کر اپنایا گیا ہے اسی طرح ادبی صنف کا انتخاب بھی اسلوب نگارش پر اثر انداز ہوتا ہے کہانی سنانے کے انداز اور وعظ یا نصیحت کی بات کہنے کے انداز ایک سے نہیں ہوتے۔

ان مضامین کے بعد رشید حسن خاں، انور علی خاں سوز (لکچرر انگریزی)، افتخار حسین صدیقی (لکچرر تاریخ) محمد ادریس (لکچرر انگریزی) عبد اللہ ولی بخش قادری (لکچرر لغات)، معین الدین احمد (لکچرر اردو) اشفاق محمد خاں (لائبریری اسسٹنٹ)، رفیق محمد شاستری (مددگار اڈیٹر رسالہ تعلیم و ترقی) اور عنوان چشتی (لکچرر اردو) نے اس سمپوزیم میں حصہ لیا۔ عام طور پر یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ موضوع اور مقصد کے لحاظ سے اسلوب اور طرز نگارش الگ الگ ہوتا ہے، اس کے علاوہ لکھنے والے کی شخصیت کا اثر پڑنا بھی لازمی ہے جس کی وجہ سے اسلوب میں تنوع اور رنگارنگی کا ہونا ضروری ہے۔ آخر میں صدر جلسہ جناب ضیاء الحسن فاروقی مدیر ماہنامہ جامعہ (پرنسپل جامعہ کالج) نے تقریر کی۔ موصوف نے فرمایا کہ "عبارت خواہ کتنی ہی سادہ اور واضح کیوں نہ ہو پڑھنے والا اگر اس بحث سے واقف نہیں ہے جو زیر بحث ہے تو اسے الجھن ہوگی۔ لیکن اس کی الجھن سے عبارت کی سادگی اور وضاحت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ آج سے صدیوں پہلے یونانی تہذیب کے عروج کے آخری دور میں افلاطون اور ارسطو نے سادہ اور واضح عبارتیں لکھیں اور فلسفیانہ اور سائنسی مباحث پر قلم اٹھایا، لیکن اگر فلسفہ وحکمت کے ان موضوعات سے واقفیت نہیں تو قاری الجھ کر رہ جائے گا یہی حال ابن سینا کی کتاب "الشفاء" کا ہے۔ اسالیب بہر حال مختلف ہوں گے، اور مصنف کی انفرادیت بھی اثر انداز ہوگی، لیکن اس کے باوجود نثر نثر رہ سکتی ہے اور نثر نگار کا یہی کمال ہوتا ہے۔ ہم لوگ حقیقت نگاری کا اکثر ذکر کرتے رہتے ہیں، ابھی حال میں میں نے کہیں پڑھا ہے کہ حقیقت نگاری بھی رومانیت کے بغیر ناممکن ہے، یہ مسئلہ فکر انگیز اور دلچسپ ہے، اس پر ہمارے ادیبوں کو لکھنا چاہیے۔

دوسری بات جس کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ ہماری نثر پر ابھی اسی اسلوب بیان کا بہت اثر ہے جو ان مذہبی کتابوں کا ہوتا ہے جن کی بنیاد وحی الٰہی ہوتی ہے، ہمارے فکر کی دنیا میں ابھی عقلیت کی وہ تحریک بھرپور طور پر نہیں اٹھی جو معروضی نقطۂ نظر اور طرز استدلال کو تقویت بخشتی ہے، خود یورپ میں نثری ادب اس وقت استدلالی بنا جب اٹھارویں صدی کی تحریک عقلیت کے زیر اثر لکھنے والوں کو بائیبل کے اسلوب بیان سے رفتہ رفتہ گریز کرنا پڑا۔ میرا خیال ہے کہ یہ بات اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے اور اس دور میں جب ہماری زندگی میں صنعتی چیلنج، تاریخی و معاشی تقاضوں کے زیر اثر داخل ہو رہی ہے بہت سی سماجی تبدیلیوں کے ساتھ اس بات کو بھی پیش رکھ کر اردو کے نثری سرمایے کا جائزہ لینا چاہیے۔"

اس سمپوزیم میں جو مضامین پڑھے گئے وہ مکمل طور پر ماہنامہ جامعہ کے مختلف شماروں میں شائع ہوئے ہیں اور سمپوزیم کی مکمل رپورٹ "صبح" (دہلی) کے زیر ترتیب شمارے میں شائع ہوگی۔

انجمن ترقی اردو بنارس کی سالانہ میٹنگ

انجمن ترقی اردو ہند، بنارس کی سالانہ میٹنگ بتاریخ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۶۵ء ہوئی جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں مجلس عاملہ کے عہدہ داران اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔

۱۔ پچھلی میٹنگ کی کارروائی پڑھی گئی و منظور ہوئی۔

۲۔ داتا رسول سکریٹری انجمن نے ۶۵-۱۹۶۴ء کی کارروائی کی رپورٹ پڑھی جو مع خرچ کے منظور ہوئی، رپورٹ وغیرہ کو کتابچہ کی شکل میں شائع کرنا طے پایا۔

تجاویز جو منظور ہوئیں

تجویز ۱۔ جناب ڈاکٹر محمد اظہر نعمانی صاحب مرحوم، مرزا اصغر حسین صاحب نائب صدر انجمن ہذا مرحوم و نیز مولوی فخر الدین احمد صاحب ایڈوکیٹ مرحوم کی ناگہانی اموات پر تعزیتی تجویز منظور ہوئی۔

جملہ حاضرین نے کھڑے ہوکر ۲ منٹ تک خاموشی سے دعاء مغفرت کی۔

تجویز ۲۔ شاخ بنارس کا یہ جلسہ سکریٹری کل ہند انجمن ترقی اردو علی گڑھ کی اپیل شائع شدہ ہماری زبان مورخہ ۸ر ستمبر ۱۹۶۵ء کے جذبہ کے مطابق چین و پاکستان کے ہند دشمن رویہ کی مذمت کرتا ہے۔

تجویز ۳۔ انجمن ترقی اردو بنارس کا یہ سالانہ اجلاس اس بات کو بہت دکھ کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ حکومت ہند نے اب تک لسانی سیکولر پالیسی پر ٹھیک عمل نہیں کیا ہے اور اردو کا جائز حق دینے سے گریز کیا ہے جس سے اردو داں طبقہ میں ناامیدی و شک کے جذبات نمایاں طور پر موجود ہیں تاہم ادارہ ہذا اردو داں طبقہ کی طرف سے کی جانے والی قربانیوں پر اظہار تشکر کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے جو وطن دوستی کے سلسلہ میں خاص کر اردو داں طبقہ نے دی ہیں اور چونکہ شہر بنارس میں اس وقت ہر وارڈ کی طرف سے ملک کی حفاظتی چندہ کی وصولی کی مہم جاری ہے اس لئے انجمن ہذا کی ممبر سازی دو ماہ کے لیے ملتوی کرتا ہے تاکہ عہدہ داران اردو کو وطنی دوستی کے سلسلہ میں دی جانے والی مالی قربانی کے لیے عذر بیجا کی شکایت کسی کو نہ ہو اگرچہ وہ قربانی کتنی ہی قلیل رہی کیوں نہ ہو۔

نام عہدہ داران و ممبران مجلس عاملہ

۱۔ جناب بابو کرشن موہن صاحب ایڈوکیٹ — صدر
۲۔ " سلیمان عباس رضوی صاحب پروفیسر ہندو یونیورسٹی — نائب صدر
۳۔ " محترمہ حسینہ قریشی صاحبہ — " " "
۴۔ جناب محمد مسلم الحریری صاحب — مدنی پورہ — نائب صدر
۵۔ " عبدالمتین لطیفی صاحب — سلیم پورہ — "
۶۔ " بابو شیوناتھ پرشاد صاحب — ایم۔ اے جواہیر — "
۷۔ " داتا رسول صاحب — جنرل سکریٹری
۸۔ " احمد مکرم اعظمی صاحب — سکریٹری شعبۂ نشر و اشاعت
۹۔ " سلام اللہ صدیقی صاحب — معاون جنرل سکریٹری
۱۰۔ " نثار احمد صاحب ایم۔ اے — نائب سکریٹری کتب خانہ
۱۱۔ " سید عادل جعفری صاحب ایم۔ اے — نائب سکریٹری شعبہ ادب
۱۲۔ " بابو کالی پرشاد صاحب — خزانچی
۱۳۔ " حکیم محمد یوسف صاحب — للہ پورہ — محاسب

اراکین

۱۴۔ عبدالحلیم صاحب ۱۵۔ ماسٹر حمید اللہ صاحب ۱۶۔ ڈاکٹر رمضان علی صاحب کارپوریٹر ۱۷۔ غیاث الدین صاحب ۱۸۔ عبدالرشید صاحب ۱۹۔ نہال الدین صاحب بی۔ اے، بی۔ ٹی پرنسپل ۲۰۔ امیر اللہ صاحب ۲۱۔ انصار احمد صاحب ۲۲۔ ریاض الدین صاحب ۲۳۔ دوست محمد صاحب۔ ۲۴۔ عبدالغفار صاحب ۲۵۔ محمد علی دانش صاحب ۲۶۔ محمد ادریس صاحب وکیل ۲۷۔ سلیمان آصف صاحب، ۲۸۔ عبدالرحیم صاحب ۲۹۔ لکشمی شنکر صاحب، ۳۰۔ حسام الدین صاحب ۳۱۔ محمد مستقیم صاحب ۳۲۔ محمد عثمان صاحب عدم ۳۳۔ نظام الدین صاحب ۳۴۔ بختیار حسین صاحب وکیل ۳۵۔ محمد ہاشم صاحب ۳۶۔ ضیاء الدین صاحب ۳۷۔ حکیم عبدالعالی صاحب ۳۸۔ محمد حنیف ۳۹۔ حاجی مشتاق صاحب

کتب خانہ کے متعلق مولانا احمد مکرم اعظمی صاحب، بابو شیوناتھ پرشاد صاحب نے اپیل کی اس سے متاثر ہوکر معتمد انجمن تعمیر ادب نے ۲۶ کتابیں اور معتمد ادارہ مکتبہ اسلامی نے اپنے یہاں سے شایع شدہ ۶۰ کتابوں کے دینے کا اعلان کیا۔

کتب خانہ کے رجسٹریشن کے واسطے جناب عبدالمتین لطیفی صاحب نے مبلغ اکاون روپے دینے کا اور بقیہ بوقت ضرورت رجسٹری جناب صدر انجمن نے دینے کا وعدہ فرمایا۔

چائے کے بعد جلسہ ختم ہوا۔

سکریٹری شعبۂ نشر و اشاعت نے صدر و اراکین کی جانب سے جملہ حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

داتا رسول
سکریٹری
انجمن ترقی اردو بنارس

بزمِ ادب مہارانا بھوپال کالج، اودے پور یونیورسٹی کا افتتاح

۴ر نومبر کو شام کے ۷ بجے ڈاکٹر خواجہ احمد صاحب فاروقی صدر شعبۂ اردو۔ دہلی یونیورسٹی نے اودے پور یونیورسٹی کی بزمِ ادب کا افتتاح فرمایا۔ صدر بزم سید محمد جاوید صاحب نے موصوف کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا۔

معتمد اقبال ساگر صاحب نے سالانہ رپورٹ پڑھی کالج کے ڈائرکٹر جناب نعیم سین صاحب نے اردو کی عوامی پسندیدگی اور اس کے تہذیبی عناصر کا ذکر فرمایا، اور ڈاکٹر فاروقی صاحب نے ایک پرمغز خطبۂ صدارت سے بزم کو نوازا۔ بعد ازاں قومی نظمیں پڑھی گئیں اور مشاعرہ میں چند مقامی شعراء کے علاوہ راہی جے پوری اور موتن جے پوری صاحبان نے شرکت فرمائی۔ حاضرین میں سے اودے پور یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر جی۔ ایس۔ مہاجنی صاحب اور راجستھان یونیورسٹی جے پور کے شعبۂ اردو کے صدر جناب محمد علی زیدی صاحب قابل ذکر ہیں۔

(اقبال ساگر سکریٹری)

کرپال سنگھ بیدار کو کیسہ زر پیش کیا گیا

پٹیالہ۔ ۲ر نومبر کو سینٹرل پبلک لائبریری پٹیالہ میں ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد ہوا جس کی صدارت لسان الاعجاز سردار اودے سنگھ شائق نے فرمائی۔ اس بزم شعر و سخن میں پنجاب کے نامور شعرا حضرات نے شرکت فرمائی جن میں راج کوی پنڈت میلا رام وفا لسان الاعجاز سردار اودے سنگھ شائق۔ پروفیسر کرپال سنگھ بیدار۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، ساحر سیالکوٹی، جتا ہر نالوی۔ سورج کنول مرتول۔ دلیس راج سنگر، نوبہار صابر، زار انبالوی، ہربنس سنگھ تجے، جوہر بھارتی، مہیش پٹیالوی۔ پریم حسرت، وفا پٹیالوی، سوز شرمن اور اثر پٹیالوی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسٹیج سکریٹری کے فرائض کنور مہندر سنگھ بیدی سحر نے انجام دیے۔ بعد ازیں شاعر اعظم پروفیسر کرپال سنگھ بیدار صدر انجمن ترقی اردو (ہند) ماڈل ٹاؤن پٹیالہ کو معزز شہریوں اور بیدار کے مداحوں کی جانب سے جناب منجندہ کمشنر پٹیالہ ڈویژن نے ایک گرانقدر کیسہ زر پیش کیا۔ اس موقع پر آپ نے تقریر فرماتے ہوئے پروفیسر کرپال سنگھ بیدار کی ادبی خدمات کو سراہا اور پٹیالہ میں زبان اردو کی ترقی اور ترویج کی کوششوں کی مدح سرائی کی۔

(ڈپٹی سکریٹری)

ملا طاہر سیف الدین کی وفات پر شعبۂ اردو علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کا تعزیتی جلسہ

۱۵ر نومبر سنہ ۱۹۶۵ء انجمن اردوئے معلی شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کا ایک تعزیتی جلسہ سیدنا طاہر سیف الدین کی وفات پر منعقد ہوا۔ جلسہ کی صدارت پروفیسر آل احمد صاحب سرور صدر شعبۂ اردو نے فرمائی

قرارداد تعزیت

" انجمن اردوئے معلی کا یہ جلسہ سیدنا طاہر سیف الدین چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی وفات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور ان کی وفات کو ملک و قوم کے لیے عموماً اور اس یونیورسٹی کے لیے خصوصاً ایک بہت بڑا سانحہ سمجھتا ہے۔

سیدنا طاہر سیف الدین نہ صرف اس یونیورسٹی کے چانسلر تھے وہ بوہرہ فرقے کے رہنما بھی تھے اور اس کے علاوہ اپنی علم پروری اور ادب دوستی کے لیے مشہور تھے۔ جامعہ سیفیہ نے عربی میں تحقیق و تدریس کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا ہے وہ مرحوم کی سرپرستی کی وجہ سے ہے مرحوم نے اردو کے اداروں کو بڑی فیاضی سے امداد دی اور شعبۂ اردو کو بھی ایک گرانقدر عطیے سے نوازا۔

یہ جلسہ مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے۔ اور پس ماندگان سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔"

(امیر عارفی سکریٹری)

اردو زبان ہندوستان کے لیے ضروری ہے۔ اچاریہ ونوبا بھاوے کی رائے

سرسہ۔ (خدیجہ ٹواک) آچاریہ ونوبا بھاوے مدرسہ محمدیہ کی دعوت پر یہاں تشریف لائے مدرسہ کے تمام لڑکوں، اساتذہ اور علاقہ کے تمام مسلمانوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ ونوباجی کو مدرسہ اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ایک سپاسنامہ دیا گیا۔

ونوباجی نے ایک مختصر تقریر کی۔ اور بتایا اردو زبان ہندوستانی کے لیے ضروری ہے یہ بات بالکل غلط ہے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ اردو کی اشاعت کے لیے ضروری ہے کہ ہندی دیوناگری رسم الخط میں اردو کی کتابیں چھاپی جائیں۔ تاکہ آسانی سے غیر اردو داں اردو کے الفاظ کو اپنا سکیں آخر میں تمام لوگوں کا شکریہ ادا کیا گیا۔

(سیاست کانپور)

—— x:x ——

کریم نگر میں پروفیسر ہارون خاں شروانی کی تقریر

کریم نگر ۲۵ اکتوبر۔ پروفیسر ہارون خاں شروانی صاحب کی آمد کے موقع پر انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر کی جانب سے بتاریخ ۶ اکتوبر بوقت ساڑھے نو بجے شام، بمقام ضلع پریشد کمیٹی ہال، بصدارت مسٹر لکشمن لال مصرا، صدر انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر، ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں اردو دوستوں اور کارکنوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

پروفیسر ہارون خاں شروانی صاحب نے جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اردو کا موقف دستوری حیثیت سے دیگر زبانوں کے مساوی ہے، مگر یہاں ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ چودہ زبانوں میں اردو بھی ایک ہے، اس کو اتنی اہمیت حاصل نہیں کیونکہ کشمیر کے علاوہ اردو کسی اور ریاست کی سرکاری زبان نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آندھرا پردیش میں اردو کو جو موقف حاصل ہے، اتنا حق کسی اور ریاست میں نہیں ہے، پھر بھی یہ موقف زبانی ہے۔ تلگو کو سرکاری زبان بنانے کے تعلق سے ایک آزاد رکن اسمبلی مسٹر داولا لا گوپال کرشنیا نے ایک غیر سرکاری بل پیش کیا ہے۔ اس بل کو رائے عامہ کے لیے گزٹ میں شایع کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ریاستی انجمن ترقی اردو سے بھی رائے پوچھی گئی تھی۔ ہم نے اپنا جواب بھیج دیا ہے۔ چونکہ اس بل میں اردو کا ذکر تک نہیں ہے اس لیے ہم نے حکومت سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اردو کے بارے میں واضح اعلان کیا جائے۔ اس سے قبل دو رائے بھی آندھرا پردیش نے اردو کے تعلق سے جو بیانات دیے ہیں ان پر قانونی حیثیت ضروری ہے۔

انھوں نے اردو کارکنوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے قانونی موقف کے حصول اور دیگر اردو مسائل کی یکسوئی کے لیے انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی جانب سے ریاستی سطح پر ۱۲ اور ۱۳ دسمبر کو بمقام حیدرآباد اردو کارکنوں کا اجتماع منعقد کیا جا رہا ہے۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ کارکن اس اجتماع میں شرکت کریں۔ انھوں نے کہا کہ کریم نگر ضلع کی انجمن ترقی اردو جو کہ دفاقی طرز سے تشکیل دی گئی ہے، سارے آندھرا پردیش میں ایک مثالی حیثیت کی حامل ہے۔ اس ضلع میں اردو تحریک کی کامیابی کا سہرا یقیناً انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر کے صدر مسٹر لکشمن لال مصرا اور معتمد کمال کریم نگری کے سر ہے، جن کی انتھک محنت اور مخصوص کوششوں کا نتیجہ ہے کہ کریم نگر ضلع اردو تحریک کا مرکز بن سکا ہے۔

مسٹر لکشمن لال مصرا صدر انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر نے کہا کہ حال ہی میں ۲ نومبر کو کریم نگر ضلع کی انجمن ترقی اردو کے انتخابات عمل میں لائے گئے اور مجلس انتظامی کی باقاعدہ تشکیل دی گئی ہے۔ ۱۲ اور ۱۳ دسمبر کو ریاستی سطح پر بمقام حیدرآباد اردو کارکنوں کا اجتماع منعقد کیا جا رہا ہے۔ اس سے قبل ضلع کی سطح پر اردو کارکنوں کا اجتماع منعقد کیا جائے گا۔ مسٹر ابوالکلام غازی الدین کمال کریم نگری معتمد انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر نے پروفیسر ہارون خاں شروانی صاحب کو متعارف کرایا۔ جناب قاضی محمد بشیر الدین کے شکریہ کے ساتھ جلسہ کا اختتام عمل میں آیا۔ (ابوالکلام غازی الدین کمال سکریٹری)

(صفحہ ۷ سے آگے)

چچا چھکن وہ دوسرا زندۂ جاوید کردار ہے جس کی نقش گری کا سہرا اردو کے مشہور ادیب سید امتیاز علی تاج کے سر ہے۔ چچا چھکن کی بدحواسیاں ضرب المثل ہیں اور اس جاندار شخصیت کی مقبولیت نے بہت سے لکھنے والوں کو تاج کی تقلید میں طبع آزمائی کی دعوت دی ہے مگر وہ مولوی مدن والی بات کہیں نہیں آئی۔ یہ کتاب پہلی بار ہندوستان سستے ایڈیشن میں چھاپی ہے اور اس کی قیمت سوا روپیہ ہے جبکہ مہنگا ایڈیشن ۹ روپے میں ملتا ہے۔

۵۔ تاج کے ڈرامے انار کلی پر ایک نظر:۔ اس کتاب میں پہلے اردو میں ڈرامے کی ابتدا و ارتقا کا مختصر لیکن جامع خاکہ پیش کیا ہے۔ پھر انارکلی سے متعلق ہر ہر گوشے اور ہر ہر پہلو کے بارے میں حاصل بحث کی ہے۔ ایک علٰحدہ باب میں اس کے تمام کرداروں پر تنقید و تبصرہ کیا ہے اور ہر کردار کا نفسیاتی تجزیہ کر کے اس کے عمل اور ردعمل کی توجیہ کی ہے۔ اس اہم کتاب کی قیمت ایک روپیہ ہے۔

۶۔ شیر کیا سوچتا ہوگا:۔ سید رفیق حسین کے افسانوں کا مجموعہ ہے جن میں جانوروں کی نفسیات کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ ان افسانوں میں رفیق حسین نے اپنے برسوں کے مطالعے اور جنگل کی شکاری زندگی کے تجربے بڑے ہی فنکارانہ اور ساحرانہ انداز سے پیش کیے ہیں۔ قیمت ۲ روپے۔

۷۔ رسوم دہلی:۔ "رسوم دہلی" دلی کے مسلمانوں کی بھرپور زندگی کا خاکہ ہے۔ اور وہ بھی اس قلم سے جس کو بلاشبہ سند کا درجہ حاصل ہے۔ مولوی سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ کی نہایت قابل قدر تصنیف ہے۔ آغاز کتاب میں سید یوسف بخاری نے سید احمد دہلوی پر ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے اور آخر میں مشکل اور متروک الفاظ وغیرہ سے متعلق ایک فرہنگ بھی دی گئی ہے۔ قیمت ۲ روپے

کتاب کار، رامپور نے عوامی لائبریری سیریز میں مندرجہ بالا کتابوں کا پہلا سیٹ پیش کر کے بلاشبہ ایک اہم قدم اٹھایا ہے جس کی وقعت اور ضرورت کا اردو سے محبت کرنے والے ہر شخص کو احساس ہوگا۔ اب تک سستی کتابوں کے نام پر اردو میں جو کتابیں چھاپی جاتی رہی ہیں ان میں سے بڑی تعداد پروپیگنڈا لٹریچر کی ہے۔ ادب نام کی کوئی چیز ان کتابوں میں نہیں ملتی۔ کتاب کار رامپور قابل مبارکباد ہے جس نے اردو ناشریت میں اس ضرورت کو سمجھا اور سستی لیکن خوبصورت کتابیں پیش کر کے محبان اردو کے جائز شکریے کا مستحق بن گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتابیں ہاتھوں ہاتھ لی جائیں گی اور اس سلسلے میں آئندہ بھی مفید اور دلچسپ کتابوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔

یہ کتابیں مندرجہ ذیل پتوں سے طلب کی جا سکتی ہیں:۔

(۱) مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، جے جے ہسپتال بمبئی ۳
(۲) " " ، اردو بازار، دہلی ۶
(۳) انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ
(۴) کتاب کار، رامپور (یو۔ پی)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر منیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر سید حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا۔